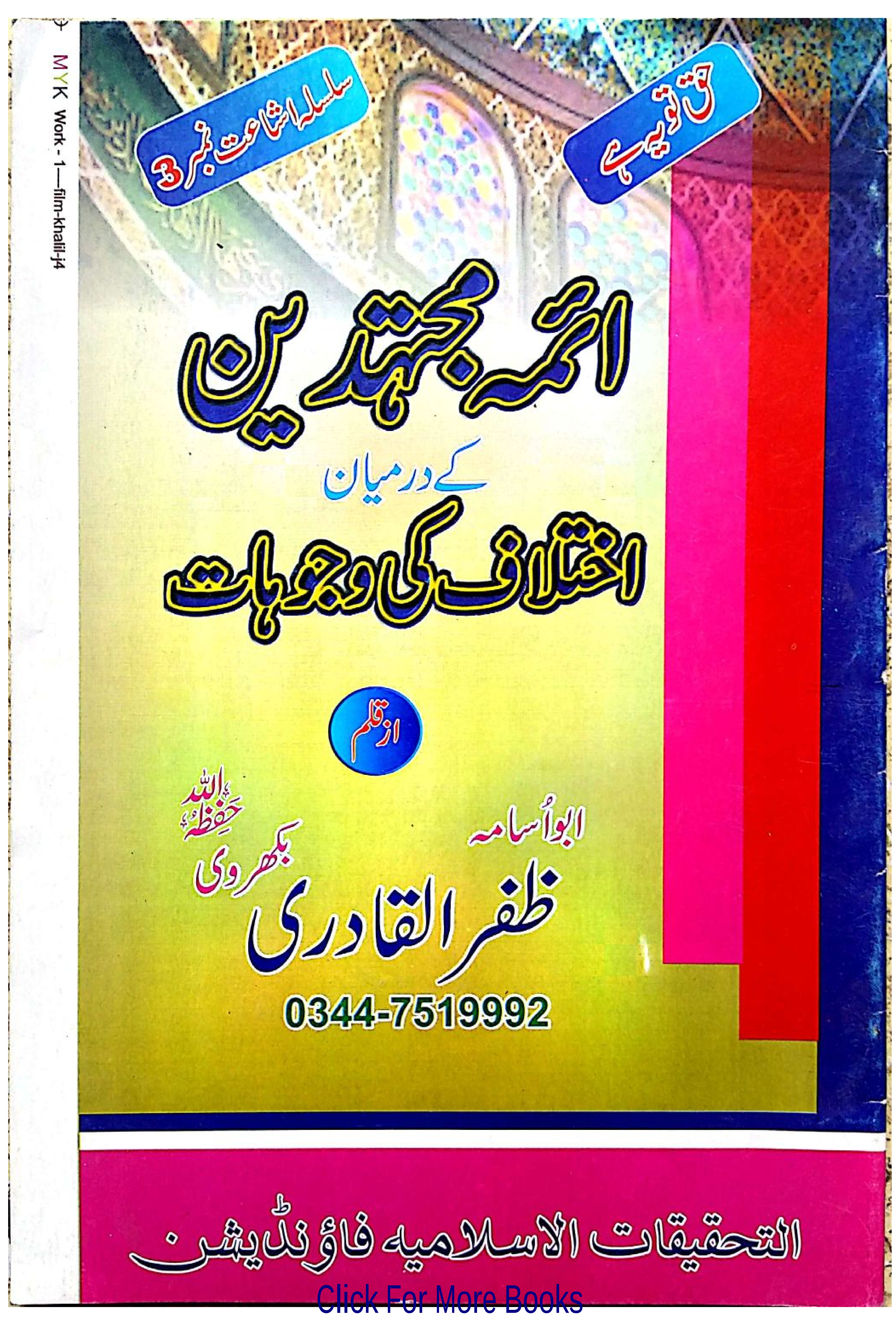

حق تو یہ ہے
سلسلہ اشاعت نمبر 3
ائمہ مجتہدین
کے درمیان
اختلاف کی وجوہات
از قلم
ابو اُسامہ
ظفر القادری
بکھروی
حفظہ اللہ
0344-7519992
التحقیقات الاسلامیہ فاؤنڈیشن
MYK Work - 1—film-khalil-j4

ائمہ مجتہدین
کے درمیان
اختلاف کی وجوہات

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم. اما بعد!

اس مضمون کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض نام نہاد محققین نے ائمہ مجتہدین کے اختلاف کی آڑ میں لوگوں کو گمراہی کے راستے پر ڈالنا شروع کر دیا لہٰذا اس کی وضاحت ضروری ہے۔

''اختلاف ائمہ کے اسباب کا موضوع درحقیقت اجتہاد کا ہی ایک باب ہے اس کے تعلق سے گفتگو نہ صرف مشکل بلکہ دراز اور پیچیدہ بھی ہے جو اس مختصر مضمون میں بیان کرنا انتہائی مشکل ہے مگر میری بھرپور کوشش ہوگی کہ اسے آسان الفاظ میں قارئین تک منتقل کروں لہٰذا آسانی کیلئے چند عنوات کے تحت ان وجوہات کا بیان حاضر ہے:

❁ حدیث کب قابل عمل ہوتی ہے ❁

اس عنوان کے تحت چار نکات ہیں

دو کا تعلق سند حدیث سے اور دو کا تعلق متن حدیث سے ہے اور وہ چار نکات یہ ہیں۔

۱) ''حدیث شریف کے صحیح ہونے کی شرائط کے بارے میں اختلاف''

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث صحیح ہونے کیلئے پانچ شرائط ہیں

۱۔ سند کا متصل ہونا

۲۔ راوی کا عادل ہونا

۳۔ راوی کے یاد رکھنے اور صحیح طور پر اس کو مضبوط کرنے کا ثبوت

۴۔ سند اور متن میں شذوذ کا نہ ہونا

۵۔ علت قادحہ سے سند اور متن دونوں کا محفوظ ہونا

اتصال سند کے ثبوت کیلئے خود محدثین کا ایک شرط پر اختلاف واقع ہوا ہے جو ''مسئلۃ اللقاء بین الراوی وشیخہ'' کے عنوان سے مشہور ہے

یعنی راوی کا اپنے شیخ اور استاد سے ملاقات کا ثابت ہونا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمنوا، راوی اور اس کے شیخ کے درمیان ملاقات کے ثبوت کی شرط لگاتے ہیں اگرچہ وہ ملاقات ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہو، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمنوا، ثبوت کی بجائے فقط ملاقات کے امکان کو صحت حدیث کیلئے شرط قرار دیتے ہیں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول پر اجماع کا دعوی کیا ہے (صحیح مسلم : ۲۳/۱ مقدمہ طبع دار الافاق الجدید بیروت)

اس شرط کے اختلاف کے سبب امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور انکے ہمنوا اتصال کے اس مفہوم (شرط امکان اللقاء) کی بناپر جس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے اور امام مسلم کی بیان کردہ شرط (امکان اللقاء) کو تسلیم کرنے والے فقہاء اس شرط اتصال کو بنیاد بنا کر جو حکم اس روایت سے ثابت ہو اسکے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حکم صحیح حدیث سے ثابت ہے جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور انکے ہمنوا صحت حدیث کیلئے ملاقات کے ثبوت کی شرط لگا کر ایسی حدیث کو حجت نہیں مانتے اور جتنے ایسی احادیث سے احکام کا استنباط کیا جائے اس کا اعتبار نہیں کرتے

اتصال سند سے متعلق ایک اور مسئلہ ''حدیث مرسل'' کا ہے

''مرسل'' ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کو تابعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے اور اس کی سند متصل نہ ہو

اس میں محدثین کا اختلاف ہے کہ اس عدم اتصال کے سبب کیا حدیث مرسل حجت اور استدلال کے دائرے سے خارج ہو جائے گی یا نہیں؟

جمہور محدثین کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف ہے اس لیے حجت نہیں جبکہ جمہور فقہاء جس میں امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ارسال سے حدیث کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑتا بلکہ حدیث مرسل حجت ہے اور اس پر عمل کیا جائے گا

(الرسالۃ صفحہ ۴۶۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دونوں قولوں کے درمیان کا موقف رکھتے ہیں نہ بالکل صحت کا انکار کرتے ہیں اور نہ مطلقاً صحت کا حکم لگاتے ہیں بلکہ اس کے ضعف کو معمولی درجہ کا ضعف قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں!

''اگر چار باتوں سے اس کی تقویت اور تائید نہ ہو تو جمہور کی طرح اس کو حجت تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اگر چار مؤیدات حاصل ہوں تو ان کے نزدیک وہ حجت ہو جائے گی وہ چار مؤیدات یہ ہیں

۱۔ دوسری روایت سے اس کا متصل اور مسند ہونا ظاہر ہو جائے

۲۔ یا دوسری مرسل روایت بھی اس کی تائید میں ملے

۳۔ یا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۴۔ یا اکثر اہل علم اس پر فتویٰ دیں

اس بناپر ایسا فقہی حکم جس میں ائمہ ثلاثہ یا کوئی ایک ان میں ایسی مرسل روایت کو بنیاد قرار دیں جس کو ان چاروں باتوں کی تائید حاصل نہ ہو تو وہ امام اور جمہور محدثین کے خلاف ہوگا

راوی کی عدالت کے ثبوت میں بھی اختلاف ہے اسکی نوعیت کچھ یوں ہے کہ

۱۔ کیا یہ بات راوی کیلئے کافی ہے کہ راوی مسلمان ہو اور اس میں کسی قسم کی جرح کا ثبوت نہ پایا جائے؟

۲۔ یا یہ کافی نہیں بلکہ اسکی ظاہری عدالت کا ثبوت پیش کرنے سے ہی عدالت ثابت ہوگی ایسے راوی کو مستور کہا جاتا ہے

۳۔ یا عدالت ظاہرہ کے ساتھ عدالت باطنہ کا بھی ثبوت ضروری ہے

ہ۔اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک امام کی تعدیل (راوی کو عادل قرار دینا) کافی ہے یا ہر راوی کی عدالت کے ثبوت کیلئے دو ائمہ جرح وتعدیل کی تعدیل ضروری ہے

عدالت کے سلسلہ میں بعض دفعہ جرح کرنے والا کسی مسلم کی عدالت کو بھی ساقط کر دیتا ہے اسکی مثال یہ ہے کہ کتنے ہی راویوں کی عدالت کا اس لئے اعتماد نہیں کیا گیا کہ وہ عراقی تھے یا فقہاء میں سے تھے جن کو اہل الرائے کہا جاتا تھا یا انھوں نے خلق قرآن کے مسئلہ پر جوابات دیے یہ ایسے امور ہیں جن کا ادراک اور ان سے اجتناب وہی علماء کرسکتے ہیں جنھوں نے اس علم کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہو اور جو طویل تجربہ کے ساتھ اس علم سے وابستہ رہے ہوں

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی امام محدثین یا فقہاء میں سے کسی راوی کی تعدیل کرتے ہیں پھر محدثین یا فقہاء ہی میں سے کوئی امام اسی راوی پر جرح کر دیتا ہے اور ایسے راویوں کی تعداد جن کی عدالت یا ضعف پر اتفاق پایا جائے بہت ہی قلیل ہیں ان وجوہ اختلاف میں ایک اختلاف ایسا بھی ہے جو اختلاف کے دائرے کو بیحد وسیع کر دیتا ہے۔

اور وہ یوں کہ ایک راوی جس میں اختلاف ہوتا ہے اس سے دسیوں احادیث مروی ہوتی ہے اب جو ائمہ ان کو عادل قرار دیتے ہیں وہ ان کی راویت کردہ تمام احادیث سے استدال کرتے ہیں اور جو اس راوی کو مجروح قرار دیتے ہیں اس استدلال کو تسلیم نہیں کرتے چونکہ ان کے نزدیک وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے تو اس سے استدلال کرنا بھی ضعیف ہو جاتا ہے ایک اختلاف ایسا بھی ہے جس میں ہر اختلاف کرنے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سنت سے استدلال کر رہا ہے اور ان مرویات کے مقتضا کے مطابق احکام کو تطبیق دیتا ہے اور وہ یہ بھی ثابت کر دیتا ہے کہ اس کے حدیثی اور فقہی اجتہادات محدثین کے مسلمہ قواعد اور منہج کے مطابق ہے

اس مقام پر ہم اس کے کلام کو یکسر مسترد نہیں کر سکتے اسی طرح صحیح حدیث کے دیگر شرائط کے وجود میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے مثلاً ضبط راوی کی شرط کے بارے میں یہ ضروری تنبیہ قابل

ذکر ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضبط راوی کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے جس وقت اس حدیث کو سنا تو اس حدیث کو بیان کرنے کے وقت تک اس کو روایت از بر اور یاد ہو جسے پہلے دن اس کو حاصل کیا تھا ان میں کسی بھول چوک کی گنجائش ہرگز نہ ہو

(شرح مسند أبي حنيفة للقاري : صفحه ۳)

یہ ایک انتہائی سخت شرط ہے اور اس شدید شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ جب راوی نبی ﷺ کے الفاظ کی رعایت نہ کر کے اپنے الفاظ میں حدیث کا معنی بیان کرتا ہے تو بعض اوقات بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے اور یہ الجھن راویوں کے اضطراب اور تصرف کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور اسی شرط کی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرے ائمہ سے اختلاف بعض احادیث کی تضعیف اور دوسروں کا انہی احادیث کی تصحیح کی شکل میں سامنے آتا ہے

❁ جو سنت سے ثابت نہ ہو کیا اس پر عمل کیا جائے گا؟ ❁

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث اگر صحیح یا حسن درجے کی ہو، تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس پر عمل کیا جا سکتا ہے اور احکام شرعیہ میں اس کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور اگر حدیث ضعیف ہو تو جمہور علماء کے نزدیک فضائل اور مستحبات میں اس پر عمل اس کے معروف شرائط کے پائے جانے کے وقت کرنا چاہیے یہ موقف معروف اور مشہور ہے لیکن بعض علماء احکام شرعیہ اور حلال وحرام کے سلسلہ میں بھی اس کے عمل کو جائز کہتے ہیں یہاں تک انھوں نے حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دی ہے جس کے مصادر شرعیہ ہونے پر جمہور علماء نے اعتماد کیا ہے بلکہ تمام علماء نے قیاس کی حجیت پر اتفاق کیا ہے سوائے محدودے چند افراد کے جنکی مخالفت کا ایسے مواقع پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا ضعیف حدیث پر ایسے مواقع پر عمل کرنا ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے

(۱) مرقاۃ المفاتیح للعلی القاری:۱/۱۹

(۲) فتح القدیر: ۱/۴۱۷

اور یہی ایک محدثین کی جماعت کا مذہب ہے جیسے امام ابوداؤد، امام نسائی اور ابوحاتم وغیرہا

(۱)فتح المغیث للسخاوی: ۱/۸۰،۲۶۷

(۲)الجرح و التعدیل ابو حاتم: ۸/۳۴۷

لیکن دو شرطوں کے پائے جانے پر، ایک تو یہ کہ ضعیف شدید نہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اس حدیث کے علاوہ دوسری صحیح یا حسن حدیث نہ پائی جائے یہ ہی ابن حزم کا بھی مذہب ہے (المحلیٰ: ۴/۱۴۸) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے نزدیک ضعیف حدیث رائے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے''

(۱) فتح المغیث: ۱/۸۲

(۲) اعلام المو قعین: ۱/۳۱

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی مرسل حدیث پر عمل کرتے تھے جب مسئلہ میں اور روایت اس ضعیف روایت کے علاوہ نہ پاتے (فتح المغیث: ۱/۸۰)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں (المجموع: ۱/۱۰۰) ضعیف حدیث پر عمل کا ایک موقع اور بھی ہے وہ یہ کہ جب ایک حدیث ایسے الفاظ پر مشتمل ہو کہ جس کے دو مختلف معانی کا احتمال ہو اور ایک ضعیف حدیث ایسی مل جائے جس سے کسی ایک معنی کو ترجیح ملتی ہے تو اس وقت ہم اسی معنی کو اختیار کرتے ہیں جس کی تائید اس ضعیف حدیث سے ہوتی ہے یہ بات ائمہ متقدمین اور متاخرین سے صریح طور پر ثابت ہے علامہ ابن قیم نے تحفۃ المودود صفحہ ۲۹ سورۃ النساء: آیت ۳ ''ذلک ادنی الا تعولوا'' میں عول کے معنی میں اختلاف کا ذکر کیا اور جمہور کے معنی کی تائید میں ایک ضعیف حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے پیش کی جو ''صحیح ابن حبان: ۹/۳۳۸ رقم ۴۰۲۹ '' میں ہے ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ متقدمین کے نزدیک حدیث ضعیف کا متعدد مقامات پر اعتبار کیا گیا ہے اور اسکی قیمت و اہمیت ہے لیکن آج کل بعض اسکے برعکس چرچا کرتے ہیں اور انھوں نے حدیث ضعیف کو موضوع کے ساتھ لاحق کر کے دونوں کو ایک ہی ''سلسلہ'' میں

شامل کر دیا ہے اس کے جواب میں میرا مضمون ملاحظہ ہو [ضعیف احادیث کا کلی انکار ایک فتنہ] سہ ماہی مجلہ البرہان الحق واہ کینٹ شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء)

(۳) حضور ﷺ کے ادا کردہ الفاظ حدیث کے اثبات کی بحث

اس سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس معنی کو اسی لفظ سے تعبیر فرمایا کسی اور دوسرے لفظ سے نہیں جبکہ اس حدیث میں دو ایسے الفاظ وارد ہوئے ہوں کہ ایک کے پیش نظر جو احکام مرتب ہو رہے ہیں وہ ان سے مختلف ہو جو دوسرے لفظ کو لینے کے بعد مستنبط ہو رہے ہیں اس مسئلہ کو اصولیین اور محدثین ''روایت بالمعنی'' کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں

روایت بالمعنی:

جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور اسکے جواز کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ راوی عربی زبان پر مکمل عبور اور الفاظ کے مدلولات کی بصیرت رکھتا ہو اس اندیشہ کے باعث کہ وہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا ایسا کلمہ استعمال نہ کر دے کہ جن میں تفاوت پایا جاتا ہو اور وہ بزعم خویش دونوں کو ہم معنی سمجھے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور شرط بھی رکھی ہے کہ راوی فقیہ بھی ہے

(فقہ اہل العراق و حدیثہم للکوثری: صفحہ ۳۵)

آیئے اس بات کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابوداؤد: ۳/۲۰۷ رقم ۳۱۹۱ میں ابن ابی ذئب بواسطہ صالح مولی التوأمہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء علیہ] ترجمہ: یعنی جو مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں بعض قدیم نسخوں اور روایات میں اسی طرح منقول ہے اور بعض دوسرے نسخوں میں ''فلا شیء لہ'' کے الفاظ آتے ہیں خطیب بغدادی کے نسخہ میں ''فلا شیء علیہ أو فلا شیء لہ'' ہے أو

کے کلمہ سے شک کا اظہار ابو علی لولوی نے کیا ہے اور سب جانتے ہیں کہ لولوی سنن ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کو مؤلف سے روایت کرنے والے ہیں "فلاشی ءلہ" کی روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کو نقل کرنے والے ابن العید، ابن داستہ بھی ہیں معمر اور ثوری سے عبدالرزاق نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے (مصنف عبدالرزاق :۳/۵۲۷ رقم ۶۵۷۹)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے (مسند احمد :۲/۴۴۴ رقم ۹۷۲۸)

امام طحاوی نے بھی شرح معانی الآثار میں یہی الفاظ نقل کیے ہیں (طحاوی شرح معانی الآثار :۱/۴۹۲)

اسی طرح مسند طیالسی میں ہے (مسند طیالسی ۱/۳۰۴ رقم ۲۳۱۰) اور طیالسی نے صالح مولیٰ التوامہ سے مزید یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور دیکھا ہے وہ جب نماز جنازہ کیلئے آتے اور مسجد کے سوا کہیں اور جگہ ان کو نہ ملتی تو نماز جنازہ پڑھے بغیر لوٹ جاتے

مصنف ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں "من صلي علي جنازه في المسجد فلا صلاة له" (مصنف ابن ابی شیبة: ۳/۳۶۴ رقم ۱۲۰۹۷) جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی تو اسکی یہ نماز نہ ہوگی اور فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب جگہ تنگ پاتے تو بغیر نماز جنازہ پڑھے واپس چلے جاتے۔

امام بیہقی نے سنن الکبریٰ میں عبدالرزاق تک دو طریق سے مذکورہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے اور ایک طریق میں صالح ہی سے یہ زیادتی نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں "میں جنازہ کو مسجد میں رکھتے ہوئے دیکھتا جبکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اگر مسجد کے سوا جگہ نہ ملتی

سنن ابن ماجہ میں بھی ابن ابی ذئب سے روایت ہے جسکے الفاظ یوں (سنن الکبریٰ ۴/۵۲ رقم ۷۲۹۱) ہیں "فلیس له شیء" یعنی اس کیلئے کچھ بھی نہیں (۲/۷۸ رقم ۱۵۱۷)

خطیب بغدادی نے کہا کہ یہی محفوظ ہے یعنی "فليس له شيء" جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے

(نصب الرایہ: ۲/۲۷۵)

اب اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جن ائمہ نے "فلا شيء عليه" کی روایت پر عمل کیا انھوں نے مسجد میں نماز جنازہ بدون کراہت کے جائز قرار دیا یہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کا ہے اور جن ائمہ نے دوسری روایت پر عمل کیا انھوں نے مسجد میں نماز جنازہ کو مکروہ قرار دیا اور یہ مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کا ہے

اسی طرح دیگر احکام میں ہے جو لفظوں کے اختلاف پر مرتب ہونے کی وجہ سے مختلف ہو جاتے ہیں ایک راوی کی نظر میں اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی البتہ اگر راوی فقیہ ہو اور ان احکام کی معرفت اس کو حاصل ہو جو ایسے مختلف المعنی الفاظ پر مرتب ہوتے ہیں تو وہ روایت کو اسی لفظ کے ساتھ مفید کر کے بیان کرتا ہے اور وہ روایت بالمعنی کے خیال سے اور اس کے جائز ہونے کی وجہ سے اسکا لفظ نہیں بدلتا خطیب بغدادی نے "الكفاية في علم الرواية صفحه ۴۳۶ طبع مدینه منورة" میں اخبار و احادیث کے بعض ترجیحی امور ذکر کیے ہیں اور کہا

"ایک وجہ ترجیح یہ ہے کہ روایات بیان کرنے والے فقہاء ہوں کیونکہ احکام کے بارے میں فقیہ کی توجہ غیر فقیہ سے بہت گہری اور دقیق ہوتی ہے،، اور آخر میں وکیع کا یہ قول نقل کیا" وہ حدیث جس کو فقہاء ایک دوسرے سے روایت کریں سب سے بہتر ہوتی ہے،، اسی طرح ابن حبان نے بھی "صحیح ابن حبان،، کے مقدمہ میں فقیہ کی بابت یہی لکھا ہے

(۴) ❁ عربیت کے لحاظ سے حدیث شریف کے ضبط کا اعتبار و اطمینان ❁

یعنی اس بات میں غور کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کا تلفظ کس طرح ادا فرمایا لفظ کو مرفوع (پیش کے ساتھ) یا منصوب (زبر کے ساتھ) یا مجرور (زیر کے ساتھ) کیونکہ عربی زبان اپنی لطافت میں بے مثل ہے یہ غور و خوض اس لئے بھی ضروری ہے کہ لغت یا قواعد نحو کے معمولی اختلاف سے مختلف

معانی اور نتائج مرتب ہوتے ہیں اور اس کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب دو راویوں یا زیادہ کا الفاظ کے نقل میں اختلاف ہو جائے جیسا کہ نقطہ نمبر ۳ کی بحث میں گزرا اس لئے اگر ایک کلمہ کی مختلف وجوہات میں سے ایک وجہ کا محقق ہونا ثابت ہو جائے تو فقہی اختلاف بھی نہ رہے گا اور اگر روایات مختلف ہوں گی تو لازمی طور پر فقہی اختلاف بھی ہوگا

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تاویل مشکل القرآن صفحہ ۱۸،، میں لکھتے ہیں

''اہل عرب کو اللہ تعالیٰ نے اعراب کی ایک ایسی خوبی عطاء فرمائی ہے جو ان کے کلام کیلئے حسن اور کلمات کی ترتیب کیلئے زینت کا باعث ہے اور بعض اوقات دو ایک جیسے جملوں میں اور دو مختلف معانی میں فرق کو واضح کرنے کیلئے کام آتا ہے جیسا کہ فاعل اور مفعول جب دونوں کی طرف فعل کی نسبت برابر ہو سکتی ہے تو اعراب ہی سے فرق کیا جا سکتا ہے مثلاً اگر قائل یوں کہے ''هٰذا قاتلٌ أخي،، (تنوین کے ساتھ) تو تنوین اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے قتل نہیں کیا۔ اور اگر بغیر تنوین کے ''هٰذا قاتلُ أخي ،، کہے (اضافت کے ساتھ) تو یہاں تنوین کا حذف دلالت کرتا ہے کہ اس نے قتل کیا ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کے قول ''لا نورث ما ترکناه صدقةٌ'' علماء کی ایک جماعت ''صدقةٌ،، کو مرفوع قرار دیتی ہے کہ مبتداء کی خبر ہے یوں معنی کیا کہ ''انبیاء نے جو ترکہ چھوڑا اس میں میراث جاری نہ ہوگی، بلکہ وہ صدقہ ہوگا،، امامیہ (اہل تشیع) فرقہ نے ''صدقةً،، کو مفتوح قرار دیا اور یوں معنی بیان کیا کہ ''انبیاء کے وارث اس ترکہ میں نہ ہوں گے جو صدقہ ہے (بلکہ جو مِلک ہے اس میں میراث جاری ہوگی)،، اس معنی کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہ رہے گا اور نہ انبیاء کی تخصیص رہے گی ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ کئی اختلافات جو فقہی اختلافات کہلاتے ہیں ان وجوہات کی بنا پر وجود میں آتے ہیں جنہیں ہم فروعی اختلافات کہتے ہیں اہل سنت و جماعت کے آپس کے اختلافات ایسے ہی ہیں باقی فرقوں کے ساتھ اختلافات اصولی ہیں

فروعی نہیں ہیں

✿ فہم حدیث کے اختلاف کے بیان میں ✿

فقہاء کا فہم حدیث میں اختلاف دو باتوں کی وجہ سے وجود میں آتا ہے

(۱) حدیث میں غور کرنے والوں کے مدارک اور عقلی صلاحیتوں کا تفاوت

(۲) لفظ حدیث میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال

(۱) پہلی بات حدیث کی تحقیق کرنے والوں کے طبائع اور مزاج کا اختلاف ہے اس میں کسی عقلمند کیلئے شک کی گنجائش نہیں کیونکہ انسانوں کی عقلیں ایک جیسی ہی نہیں ہوتیں بلکہ ہر شخص کی قوت عاقلہ دوسرے سے مختلف اور متفاوت ہوتی ہے اسی طرح معلومات میں اور جن چیزوں کو دیکھا سمجھا جاتا ہے اس میں ہر شخص کا تجزیہ اور سوچ مختلف ہوتی ہے یہ تفاوت کبھی خلقی اور فطری ہوتی ہے اور کبھی کسب اور استفادہ کے اختلاف سے دو شخصوں میں فرق ہو جاتا ہے مثلاً کوئی قضاء کے عہدے پر فائز ہے تو مقدمات اور قضایا کی کثرت سے اس کو لوگوں کے احوال، ان کے حیلوں اور طرح طرح کی چال بازیوں کا تجربہ حاصل ہونا، یا کسی تاجر کا لین دین کے معاملات میں لوگوں کے عادات و اطوار کی معرفت ہونا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ہمیں اس انسانی عقل کے بارے میں بتائیے جس کو لے کر انسان اس دنیا میں آتا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ لوگوں کی صحبت اور مجالس سے اثر لیتا ہے اور لوگوں سے بحث مباحثہ سے اپنی عقلی صلاحیتوں کو روشن، تیز اور صیقل کرتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس صلاحیت کے چمکانے کے تمام اسباب مہیا کر دیتے ہیں تو عقل و دانش ان کی فطرت اور مزاج کا بنا دیا جاتا ہے

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۹/۱۲۰)

ایک دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر تھے جو تابعی ہیں اور قرأت و حدیث میں مشہور امام ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا کہ فلاں فلاں مسئلہ میں آپ کیا

کہتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ میں اس میں ایسا ایسا کہتا ہوں امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی دلیل کہاں سے ملی؟ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا [کہ آپ نے ہم سے ابوصالح کی سند سے ابو ہریرۃ اور ابووائل سے انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابو یاس سے اور انھوں نے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَا عِلِهٖ،، جو کسی خیر کا کام، کسی کو بتائے تو بتانے کو اس پر عمل کرنے والے جیسا اجر ملے گا]

(۱)صحیح مسلم: ۶/۴۱رقم ۵۰۰۷ (۲)سنن ابو داؤد: ۴/۳۹۶رقم ۵۱۳۱
(۳)سنن ترمذی: ۵/۴۱رقم ۲۶۷۱ (۴)مسند احمد: ۴/۱۲۰رقم ۱۷۱۲۵
(۵)صحیح ابن حبان: ۱/۵۲۵رقم ۲۸۹ (۶)مسند الطیالسی: ۲/۸رقم ۶۳۵
(۷)مستخرج ابی عوانہ: ۸/ ۳۱۵رقم ۵۹۶۴

اور آپ نے ابوصالح کی روایت سے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سنائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آدمی نے دریافت کیا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہوں ایک آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے تو یہ بات مجھے اچھی لگتی ہے یعنی کہ وہ داخل ہونے والا جب مجھے اس حالت نماز میں پاتا ہے تو میرے دل کو یہ بات اچھی لگتی ہے صحابی کو فکر تھی یہ میرے دل کو اچھا لگنا کہیں ریا میں داخل تو نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے دو ثواب ہیں ایک ثواب چھپ کر پڑھنے کا، اور دوسرا ثواب اس عمل کے دوسروں پر ظاہر ہو جانے کا اور آپ نے ہم سے روایت کی اور انھوں نے ابومجلز سے اور وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور آپ نے ہم سے روایت بیان کی ابو صالح سے اور وہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعاً، اور پھر آپ نے ہم سے بیان کی ابوالزبیر سے، جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں، اور یزید الرقاشی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں، امام اعمش پکارا ٹھے کافی ہے تیرے لئے، جن روایات کو میں نے سو دنوں میں تم سے بیان کیا وہ تم نے چند لمحوں میں بیان کر دیں میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث کے مطابق عمل

کر رہے ہو، اے جماعت فقہاء تم اطباء ہو (طبیب ہو) اور ہم تو دوا فروش ہیں اور اے رجل (جواں مرد) تو نے دونوں طرف کو حاصل کر لیا

(۱)الجواھر المضیۃ: ۲/۴۸۴ (۲)الفقیہ والمتفقہ: ۲/۸۴
(۳)جامع بیان العلم ۲/۱۳۱، ۱۳۰ (۴)اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ للصمیری: صفحہ ۱۳، ۱۴

اسی طرح کے چند واقعات اور بھی ہیں دیکھئے تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۸ والمناقب للکردری صفحہ ۴۵ اسی طرح کا واقعہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور عیسیٰ بن ابان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد: ۱۱/۱۵۸ میں نقل کیا ہے ان روایات سے جس بات پر استدلال کیا ہے وہ اتنا واضح ہے کہ بیان کی حاجت نہیں

(ب) اب دوسری بات کا بیان ہوگا جس میں حدیث کے فہم کی وجہ سے ائمہ کے درمیان اختلاف کے سبب اختلاف واقع ہوا ہے اور اس کا مشاہدہ بھی کیا گیا ہے ایسے مختلف مفاہیم جن میں اختلاف واقع ہوا ہے صحیح ہونے کا مدار درج ذیل شرائط پر ہے

۱: جو مفہوم حدیث سے لیا گیا ہے وہ عربی قواعد کے مطابق ہو اور اس کے خلاف نہ ہو

۲: اس معنی کے اختیار کرنے میں کسی تکلف یا تعسف سے کام نہ لیا جائے تعسف فی القول کے معنی ہیں، بے راہ روی کرنا، ایسے معنی لینا جس پر دلالت واضح نہ ہو تعسف فی الامر کے معنی لغت میں بے سوچے سمجھے کسی چیز کو اختیار کرنا تعسف عن الطریق راستے سے ہٹ جانا اور تکلف الامر خلاف عادت دشوار اور مشکل کام کو برداشت کرنا

۳: وہ معنی ایسا ہو کہ جس کا دوسرے احکام سے ٹکراؤ نہ ہو جو دوسرے نصوص سے ثابت اور مسلم ہو جن ائمہ فقہ کی وجوہات اختلاف کو میں بیان کر رہا ہوں ان کی عظیم علمی حیثیت ایسی نہیں کہ وہ کسی وقت بھی ان ملاحظات سے غافل رہے ہوں یہ وضاحت ان ناپختہ ذہنوں کیلئے ہے جو اسباب اختلاف سے ناواقف ہیں ایک اہم بات یہ ہے کہ احکام شرعیہ جو کتاب و سنت سے مستنبط کیے گئے

یہ دین کے اجزاء ہیں وہ دین اسلام جو قرآن وسنت کی طرف منسوب ہے اور کتاب وسنت سے لا تعلق اور اجنبی ہرگز نہیں تو جیسا اسلام کیلئے قرآن وسنت دونوں بنیادی مصادر ہیں اور ماخذ کی حیثیت مسلمہ طور پر رکھتے ہیں اسی طرح جو فقہی مسائل کتاب وسنت علمائے مجتہدین اور فقہاء نے مستنبط کیے وہ بھی اسی طرح قرآن وسنت کے توابع میں سے ہیں جن کو ان سے الگ سمجھنا ہرگز جائز نہیں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کچھ اُمت کہتی ہے وہ سنت کی شرح ہے اور سنت ساری کی ساری قرآن کی شرح ہے کہ دین کے بارے میں جو بھی مسئلہ کسی کو پیش آئے اس کا حل اور دلیل اللہ کی کتاب میں راہنمائی اور ہدایت کے طور پر مذکور ہے اور یہ بات مسلم اور معلوم ہے کہ ہدایت کی راہ کے تعین اور معلوم کرنے کا استنباط کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تو جو استنباط ہوگا یعنی جو مسائل اس عظیم مصدر سے نکالے جائیں گے وہ مستنبط منہ قرآن ہی کے ساتھ تابع بن کے رہیں گے بشرطیکہ استنباط صحیح اور واضح طور پر ہو

(الاتقان سیوطی: ۴/۲۴،۲۵ نوع اول)

اسی طرح امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے "موافقات: ۴/۱۰" میں فرمایا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن مبارک کا قول نقل فرماتے ہیں کہ "لا تقولوا رأي أبي حنيفة رحمه الله ولكن قولوا انه تفسير الحديث" یہ نہ کہو کہ یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے

(ذیل الجواہر المضیۃ للملا علی قاری: ۲/۴۶۰)

فقہاء کی فقہ جو اسلام کے ائمہ مجتہدین گزرے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری رحمہم اللہ ان کے بیان کردہ ہزاروں لاکھوں مسائل فقہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مختلف تفسیریں ہیں اور یہ اسلام میں باہر سے نہیں آئیں اور نہ علماء امت نے اپنی عقول سے ان کو گھڑا ہے بلکہ جو مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے اس کا ماخذ اور مصدر تشریعی یعنی کتاب و سنت، اجماع یا شرعی قیاس ہوتا ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ فقہ ابوحنیفہ یا فقہ شافعی ہے تو اس کا

مطلب یہ فہم ابوحنیفہ یا فہم شافعی ہے اور ان کی یہ فہم کتاب اللہ وسنت کی ہے اس لئے کہ لغت عربی میں فہم کیلئے فقہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس موضوع کی مناسبت سے ایک عام غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے جو لوگوں میں تیزی کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے وہ یہ کہ اپنی فہم اور اپنے ناقص علم کو لوگوں کے سامنے فقہ السنۃ یا فقہ السنۃ والکتاب کے نام سے پیش کرتے ہیں جیسے آج کل کے غیر مقلدین وغیرہ اور وہ ائمہ مجتہدین سے لوگوں کو متنفر کرکے اپنی فہم کو منوانا ہے اور مقصد صرف فقہ حنفی یا فقہ ائمہ مجتہدین سے دور کرنا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے فہم کو منوانے کیلئے کہتے پھرتے ہیں کہ لوگوں فقہ محمدی چاہتے ہو یا فقہ حنفی وغیرہ یا استہزاء کرتے ہیں کہ نماز محمدی پڑھنی ہے یا نماز حنفی وغیرہ اس طرح کی بہت ساری مثالیں ہیں مثلاً فقہ حنفی کے مقابلے میں فقہ محمدی لکھی گئی جس کا پورا نام یہ ہے "نزل الابرار من فقہ النبی المختار" جو بنارس سے ۱۳۲۸ ہجری میں چھپی جو کہ غیر مقلدین کے مشہور عالم علامہ وحید الزمان نے لکھی ہے حالانکہ اس کے اندر سارا فہم علامہ وحید الزماں کا ہے بات لمبی ہو جائے گی لہٰذا مختصر عرض کرتا ہوں کہ جو فقہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت اور قیاس صحیح مجتہد سے ثابت اور مستنبط ہو وہ دین ہے اور ان مسائل مستنبطہ کو دین سے الگ کرنا یا سمجھنا جائز نہیں بلکہ وہ دین کا حصہ ہیں لیکن اس قاعدہ سے کچھ استثناء کا حال بھی ملاحظہ فرمایئے اور وہ استثناء یہ ہے "علماء کے ایسے شاذ و نادر اقوال جن کو جمہور علماء نے کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ ہی اس کا اعتبار کیا، جس کو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے "نوادر العلماء" کا نام دیا ہے ان کے اقوال سے بچ کے رہنا ہے

(۱) سنن الکبریٰ بیھقی: ۱۹/۲۱۱ رقم ۲۱۴۴۶ مطبوعہ حیدر آباد انڈیا میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی سند کے ساتھ یہ قول نقل کیا ہے "مَنْ اَخَذَ بِنَوَادِرِ الْعُلَمَاءِ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ" جس نے علماء کے نادر اقوال کو اختیار کر لیا وہ اسلام سے نکل گیا

(۲) علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع بیان العلم: ۲/۱۸۵ رقم ۹۰۱" میں مشہور عالم و محدث سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے فرماتے ہیں

''قَالَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِي: لَوْ اَخَذْتَ بِرُخْصَةِ كُلِّ عَالِمٍ أَوْزَلَّةِ كُلِّ عَالِمٍ اجْتَمَعَ فِيْكَ الشَّرُّ كُلُّهُ،، یعنی اگر تو تمام علماء کی ان باتوں کو جمع کرے جن میں رخصت سہولت کا حکم ہے تو تُو نے سارے جہان کا شر جمع کیا اور اس پر علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تبصرہ فرمایا ''هٰذَا اِجْمَاعٌ لَا اَعْلَمُ فِيْهِ خِلَافًا،، اس بات پر اجماع ہے اور اس میں کسی کے اختلاف کو میں نہیں جانتا تھا

(جامع بيان العلم و فضله ۲/۱۸۵ رقم ۹۰۱ مطبوعه دار ابن حزم)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح علل الترمذي : ۲/۷۰ مطبوعه الرياض،، میں ابراہیم بن أبی عبلۃ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں کا قول نقل کیا ہے کہ ''مَنْ حَمَلَ شَاذَّ الْعُلَمَاءِ حَمِلَ شَرًّا كَثِيْرًا،، جس نے علماء کے شاذ اقوال اختیار کیے اس نے شر عظیم کو اختیار کیا اور اسی طرح معاویہ بن قرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اِيَّاكَ وَالشَّاذَّ مِنَ الْعِلْمِ،، خبردار علم میں شاذ اقوال سے دور رہو

(۴) علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ ذیول تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۸۷ میں ابن ابی عبلۃ کا قول ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ''من تبع شواذ العلماء ضلّ،، جس نے علماء کے ان مسائل پر عمل کیا جو شاذ (ونادر) ہیں وہ گمراہ ہوا

(۵) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سنن الکبریٰ: ۱۰/۲۱۱ رقم ۲۱۴۴۹،، میں قاضی اسماعیل بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ''میں خلیفہ معتضد کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے ایک کتاب دی جس کو میں نے پڑھا کسی نے علماء کی غلطیوں کے نتیجہ میں جو سہولتیں پیدا ہوتیں ان سب کو اس کتاب میں جمع کر دیا اور ان کیلئے جو کچھ دلائل اپنے لئے ہموار کیے ان کا بھی ذکر تھا میں نے خلیفہ معتضد سے کہا اس کتاب کا مصنف زندیق ہے تو خلیفہ نے پوچھا کہ جو احادیث اس کتاب میں مذکور ہیں کیا وہ صحیح نہیں؟ میں نے کہا احادیث تو جیسے روایت کی گئی ہیں ویسے ہی ہیں لیکن جس نے نبیذ کو مسکر ہونے کی حالت میں مباح کہا اس نے متعہ کو جائز نہیں کہا اور جس نے متعہ

کی اجازت دی اس نے گانے بجانے اور منشیات کو جائز نہیں کہا اور کوئی عالم ایسا نہیں جس سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو لہٰذا جو ان غلطیوں کے درپے ہو کر اس کو جمع کرے اور پھر اس پر عمل کرے تو اس کا دین ختم ہو جائے گا تو خلیفہ نے اس کتاب کو جلانے کا حکم دیا پس وہ جلا دی گئی

(۶) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ''العلل ومعرفة الرجال برواية ابنه عبدالله: ۲/۳۱ رقم ۱۴۵۵ طبع بيروت میں فرماتے ہیں ''سمعته يقول قال محمد بن يحيٰى بن سعيد القطان: لو أن انسانا اتبع كل ما في الحديث من رخصه لكان به فاسقا،، امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص ان تمام سہولتوں کو جمع کرے اور اس کے مطابق عمل کرے وہ فاسق کہلائے گا

اس طرح کے علماء و محدثین کے بہت سارے اقوال ہیں میں کہاں تک نقل کروں کیونکہ آج اس ماحول میں لوگ سکالر بن کر، محقق و محدث بن کر یہی کام کر رہے ہیں جیسے ڈاکٹر ذاکر نائیک، پروفیسر جاوید احمد غامدی اور غیر مقلدین کے محققین و محدثین وغیرہ شاذ اقوال کو لے کر ائمہ مجتہدین اور جمہور علماء کو رد کرتے ہیں جیسے تین اکٹھی طلاقوں کو ایک کہنا یہ جمہور کے مقابلے میں ابن تیمیہ کے شاذ قول کو لیکر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اسی طرح محدثین یا صحابہ کرام کے شاذ اقوال کو لے کر گمراہ ہو رہے ہیں حالانکہ ان کو اتنی عقل نہیں کہ جب ہم اصول حدیث پڑھتے ہیں تو شاذ روایت کو ضعیف کہتے ہیں اور اس روایت کو ترک کرتے ہیں تو جب ہم شاذ روایت کو ترک کرتے ہیں تو پھر شاذ اقوال کو کیسے قبول کر سکتے ہیں لہٰذا آج کے ان نام نہاد اور بلند بانگ دعوٰی کرنے والوں کی باتوں میں نہ آیا جائے بلکہ مجتہدین جن پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رحمت ہے اور وہ مخلص، متقی و پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ علم میں بھی آج کے ان نام نہاد محققین سے بہت بلند تر تھے کی تشریحات پر عمل کیا جائے جن کی تائید میں سلف صالحین بھی ہیں۔

☆☆☆ ☆☆☆ ☆☆☆

﴿بظاہر متعارض احادیث کی بناء پر ائمہ کرام کے یہاں اختلاف پایا جانا﴾

تیسری اہم وجہ ائمہ کے اختلاف کی یہ ہے کہ بعض احادیث کا بظاہر آپس میں تعارض نظر آتا ہے اس موضوع کی تحقیق کا عمل علم حدیث اور اصول فقہ جیسے عظیم علوم سے استفادہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ سے تعلق رکھنے والی مختلف احادیث کا علم اور ان احادیث میں جو اخبار و آثار وارد ہوئے ہیں ان کا مسئلہ سے قریب یا دور کا کسی قسم کا ربط مل جاتا ہے اسی طرح اصول فقہ کے قواعد و احکام کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے جو قرآن و سنت کے دیگر نصوص کی روشنی میں تیار کیے گئے ہیں اسی علم کے مبتدی پر یہ اچھی طرح واضح ہے کہ ایک مسئلہ میں بہت سی احادیث جو معنی کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتی ہیں اور کبھی یہ اختلاف دو معنی سے بھی متجاوز ہوتا ہے علماء کرام سے اس اختلاف کی صورت میں مختلف مسالک منقول ہیں

پہلا مسلک: دو متعارض حدیثوں کو جمع کرنے کی کوشش دونوں پر عمل کیا جائے یا دونوں میں تاویل کی جائے یا معانی میں تطبیق دی جائے

دوسرا مسلک: اگر جمع ممکن نہ ہو تو نسخ کا قول کیا جائے کہ ایک حدیث دوسری کو منسوخ کر دے

تیسرا مسلک: اگر یہ بھی ممکن نہ ہو اور قرائن اس کے خلاف ہوں تو ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے وجوہ ترجیح کی بنیاد پر عمل کیلئے ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دی جاتی ہے

(۱)

دو متعارض حدیثوں کو جمع کرنے میں عقل و فہم کو بڑا دخل ہے بعض علماء نے ان دو حدیثوں کو آپس میں متعارض اور متصادم قرار دیا یعنی ایک پر عمل کرو تو دوسری پر عمل نہیں ہو سکتا عمل کے اعتبار سے جمع کرنے کو ناممکن قرار دیا اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان علماء کیلئے ان دونوں کو سمجھنے میں دقت پیش آئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے جمع کرنے کا طریقہ بعض دوسرے علماء کیلئے آسان فرما دیا اس لئے علماء کرام نے

بظاہر دو متعارض روایتوں کے جمع کرنے کے بارے میں عدم امکان کے دعوٰی سے پہلے خوب غور اور تاکید کی ضرورت پر زور دیا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خصوصا اس معاملے میں خوب غور و فکر کرنے والے ہیں اور اکثر احادیث کو جمع فرمانے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں تو اس بارے میں تین قسم کی روایات ہیں ان تینوں قسم کی روایات کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ جمع فرما دیا

(۲) اگر حقیقتاً اور واقعی دو روایتوں کو جمع کرنا آسان نہ ہو تو دونوں میں سے کسی ایک کو منسوخ قرار دینے کے قرائن پر غور و خوض کیا جائے کسی حدیث کو منسوخ قرار دینے کیلئے چار قسم کے قرائن ہیں

(۱)

پہلی قسم یہ ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں خود نبی ﷺ نے نسخ کی تصریح کی ہو۔

جیسے "صحیح مسلم: ۳/ ۶۵ رقم ۲۳۰۵ طبع بیروت"، میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها"، میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا مگر اب زیارت کر لیا کرو

(۲)

یا پھر قول صحابی سے معلوم ہو جائے جیسے سنن ابوداؤد: ۱/ ۴۹ رقم ۱۹۲، سنن نسائی: ۱/ ۱۰۸ رقم ۱۸۵، شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/ ۷۰ رقم ۴۷۰ اور دیگر کتابوں میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ"، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے بارے میں ترک وضو ہے

(۳) یا تاریخ سے نسخ کا علم ہو جائے جیسے شداد بن اوس کی روایت "سنن ابوداؤد: ۲/ ۳۰۹ رقم ۲۳۶۷"، میں ہے "أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ"، یعنی پچھنے لگانے والے اور جس کو پچھنے

لگائے گئے دونوں کا روزہ جاتا رہا بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ روایت ہجرت کے آٹھویں سال کی ہے اور اس کو منسوخ کرنے والی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جو "مسند احمد: ۱/۲۱۵ رقم ۱۸۴۹، سنن الکبریٰ للنسائی: ۳/۳۴۴ رقم ۳۲۱۸ میں مذکور ہے

"أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ"، یعنی حضور ﷺ نے حجامت کروائی جب کہ آپ روزے سے اور احرام میں تھے اور روایات میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کا واقعہ ۱۰ ہجری میں ہوا (البدر المنیر فی تخریج الأحادیث والآثار الواقعۃ فی الشرح الکبیر: ۵/۶۲۹ طبع الریاض)

کبھی نسخ کے بعض قرائن مل جاتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث کے راوی تاخیر سے اسلام لائے اور حدیث کے سننے کی صراحت بھی کی تو اس بعد والی روایت سے وہ حدیث منسوخ ہو جائے گی جس کے راوی اس متاخر راوی سے پہلے اسلام لائے ہوں اور حضور ﷺ سے حدیث کے سننے کی اسلام لانے کے زمانے میں صراحت بھی کر دی ہو

(۴)

حدیث کے منسوخ ہونے کا علم اس سے بھی ہو جاتا ہے کہ اجماع اس کے خلاف منعقد ہوا اور اجماع کے انعقاد کی تحقیق میں بھی بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ اس کے معاملے میں ثابت کرنا پڑتا ہے کہ اس اجماع کی کسی نے مخالفت نہیں کی

(۵)

اگر نسخ کا دعویٰ بھی ثابت نہ کر سکے تو پھر ائمہ ترجیح بین الحدیثین کی طرف جانا پڑتا ہے ترجیح میں درایت اور روایت دونوں کی ضرورت ہوتی ہے درایت کیلئے تو فہم معانی اور تیز نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے اور روایت کیلئے ہر اس کلیہ اور جزئیہ کی ضرورت ہوتی ہے جو اس خاص مسئلہ سے کسی قسم کا تعلق رکھتی ہو خاص طور سے روایت کی اسانید سے بحث جو انتہائی محنت طلب اور دشوار مسئلہ ہے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس حدیث کے روایت کرنے والوں کی بحث، انکی تاریخ وفات، اور ان کے

اوصاف، حدیث کے متن کے الفاظ اور اس قسم کی دوسری تحقیقات اس موضوع ترجیح کیلئے لازمی حیثیت رکھتی ہیں اس سلسلے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح معانی الآثار و مشکل الآثار، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی "اختلاف الحدیث"، علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تاویل مختلف الحدیث"، علامہ زکریا ساجی کی کتاب "اختلاف الحدیث"، امام ابن جریر الطبری کی تہذیب الآثار وغیرہ اہم کتب ہیں

علماء کا اختلاف سنت کے بارے میں انکی معلومات کی وسعت کے تفاوت میں سے

اس اختلاف کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ہم کسی ایک شخص کو بھی ایسا نہیں جانتے جس نے حضور ﷺ کی سنتوں کو جمع کیا اور ان میں کچھ جمع ہونے سے نہ رہ گئی ہوں ہاں اگر تمام اہل علم کے علوم جو سنت کے بارے میں وہ رکھتے ہیں کو جمع کیا جائے تو تمام سنتیں جمع ہو جائیں گی اور اگر ان علماء میں سے ہر ایک کے علم کو الگ الگ کر دیا جائے تو بھی کچھ حصہ سنتوں کا نہ رہے گا اور پھر جو اس سے جاتا رہا وہ دوسرے کے پاس موجود ملے گا اور علماء علم کے اعتبار سے مختلف طبقات میں منقسم ہیں بعض ان میں بہت ہی قلیل علم رکھتے ہیں اس علم کی نسبت جو ان کے علاوہ دوسروں کے پاس موجود ہے (الرسالۃ صفحہ: ۴۲، ۴۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں

"بسا اوقات کوئی شخص جاہل ہوتا ہے اس کو سنت کا علم نہیں ہوتا تو اس کے پاس وہی قول ملے گا جو سنت کے خلاف ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے قصداً سنت کے خلاف قدم اٹھایا بلکہ بسا اوقات آدمی غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور تاویل میں غلطی کرتا ہے (الرسالۃ صفحہ ۱۲۹)

حافظ المغرب علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ "الاستذکار: ۱/۳۶"، میں فرماتے ہیں "میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

میں سے کسی ایک صحابی کو نہیں جانتا جنھوں نے اخبار آحاد میں ایسی اشیاء نقل نہ کی ہوں جو شاذ ہیں جبکہ دوسروں نے ان کو یاد رکھا یہ چیز ان کے بعد والوں میں بطریق اولی ہوگی اور کسی ایک کیلئے بھی احاطہ علم ممکن نہیں،،

اسی طرح علامہ بقاعی نے ''النکت الوفية صفحه ۳۵/ب،، میں اپنے شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے ''اُمت میں سے کسی ایک فرد کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کو یقین کے ساتھ تمام احادیث حفظ ہیں انتہائی نامناسب اور نامعقول بات ہے اسی طرح امام شافعی کا قول نقل کیا گیا ہے۔

''جو کسی کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ تمام سنتیں اس کے پاس جمع ہیں تو ایسا کہنے سے وہ فاسق ہوگیا اور جو یہ کہے کہ ان تمام سنتوں میں کوئی ایک سنت امت تک پہنچنے سے رہ گئی تو یہ بھی فاسق ہے

(النکت الوفية صفحه: ۳۵/ب)

لہٰذا کسی کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اپنے بارے میں یا کسی اور کے بارے میں یہ دعوٰی کرے کہ تمام کی تمام سنتوں کا اس نے احاطہ کرلیا ہے اس بات میں تمام محققین اور حق کو تلاش کرنے والے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے متفق ہیں سنت اور احادیث کے یاد کرنے اور اس کے بارے میں معلومات ہونے میں تفاوت اور اختلاف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس کو زیادہ حدیثیں یاد ہوں وہ اوروں کی بہ نسبت اتباع یا تقلید کا زیادہ مستحق ہوگا کیونکہ کبھی کوئی شخص احادیث کے حفظ میں دوسرے سے زیادہ ہوسکتا ہے مگر دوسرا اس سے تفقہ اور استنباط کی قوت میں بڑھ کر ہوتا ہے اور درجہ اجتہاد پر پہنچنے کی شرط میں بھی جو حدیث کے بارے میں معلومات سے متعلق ہے اس کو ابن تیمیہ نے ''رفع الملام صفحہ ۱۹،، میں لکھا ہے ''اور کوئی یہ نہ کہے جو تمام احادیث نہ جانتا ہو وہ مجتہد نہیں ہوسکتا اگر یہ شرط لگائی جائے تو اُمت میں کوئی مجتہد نہیں ملے گا اور علم کی شرط کا مطلب یہ ہے کہ اکثر احادیث کا علم رکھتا ہو اور اگر کچھ حصہ مخفی بھی رہ جائے تو وہ اکثر نہ ہو بلکہ تھوڑی مقدار میں بعض تفاصیل کا علم نہ ہونا کچھ مضر

نہیں اور اتنا تو تمام ائمہ کیلئے ثابت ہے کہ مسائل شرع اور احادیث و روایات قرآنیہ جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں کا اکثر حصہ مشہور مجتہدین اور ائمہ اربعہ کیلئے ثابت ہے،،

محدثین و حفاظ حدیث کی بدولت ہم کو طرق و اسانید کیساتھ متون احادیث صحیحہ کا علم بھی ہے جیسا کہ محمد بن اسماعیل الامیر الحسنی الصنعانی نے لکھا کہ امام نووی، امام شعبہ، امام یحیٰی بن سعید القطان، ابن مھدی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا متفقہ قول ہے

[أن جملة الأحاديث المسندة عن رسول الله ﷺ يعني الصحيحه بلا تكرر أربعة آلاف و اربع مائة حديث] حضور ﷺ کی مسند اور صحیح بلا تکرار ارشادات کی تعداد چار ہزار چار سو ہے

(۱) توضيح الافكار لمعاني تنقيح الأنظار: ۱/۶۳ مطبوعه المدينة المنورة

(۲) النكت على كتاب ابن الصلاح: ۱/۲۹۹

(۳) التنقية الحديثة في خدمة السنة: جز ۲۷/۴۲

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو ان چار ہزار چار سو میں چار ہزار احادیث یاد تھیں یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء و محدثین یا تو آپکے براہ راست شاگرد ہیں یا آپکے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور جب کوئی فقیہ یا محدث آپ سے اختلاف کرتا ہے تو دراصل وہ آپکے کے دلائل تک پہنچ نہیں پاتا ہے تو اس کا آپ سے اختلاف ہوجاتا ہے ہر محدث سے کوئی نہ کوئی حدیث رہ جاتی ہے جس کا اس کو علم نہیں ہوتا مگر دوسرا محدث اس کا علم رکھتا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں مگر طوالت کے خوف سے نقل نہیں کر رہا ہوں کیونکہ اہل علم اس سے واقف ہیں مختصر یہ کہ کوئی محدث تمام سنتوں کا علم نہیں رکھتا اس طرح ایک دوسرے سے اختلاف ہوجاتا ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ائمہ فقہاء کے درمیان ہونے والے اختلاف کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس مضمون کو میرے والدین، میرے اور میرے بیوی بچوں اور میرے

اساتذہ، میرے دوستوں کیلئے مغفرت کا سبب بنائے آمین!

وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم

☆☆☆ ☆☆☆ ☆☆☆

التحقیقات الاسلامیہ فاؤنڈیشن کی website ملاحظہ فرمائیں جہاں سہ ماہی مجلّہ "البرھان الحق" اور "حق تو یہ ہے" رسائل کے ساتھ دیگر علماء اہل سنت وجماعت کی کتب دیکھی اور ڈاؤن لوڈ بھی کی جاسکتی ہیں۔

www.aifwah.com